رمضان المبارک کا بابرکت آخری عشرہ

(فرمودہ ۱۲-جنوری ۱۹۳۴ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

آیا تو مَیں اسی ارادہ سے تھا کہ مَیں خطبہ جمعہ پڑھاسکوں گا کیونکہ کل شام سے کھانسی کی تکلیف میں مجھے بہت کچھ افاقہ محسوس ہو رہا تھا لیکن نہ معلوم تین چار دن لیٹے رہنے کی وجہ سے یا بلغم کی زیادتی کی وجہ سے منبر پر کھڑے ہونے کے بعد میں محسوس کرتا ہوں کہ میں نہ زیادہ بول سکتا ہوں اور نہ ہی آواز اونچی کرسکتا ہوں- رمضان کے دن اللہ تعالیٰ کے فضل سے سارے ہی مبارک ہوتے ہیں- اور مومن کیلئے تو سب دن ہی بابرکت ہوتے ہیں مگر نہ معلوم کن خیالات کے ماتحت یا کن اثرات کی وجہ سے مسلمانوں نے رمضان کے آخری جمعہ کو خاص اہمیت دے دی ہے- اور یہ اہمیت اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ بہت سے مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ اس دن کی نمازیں ان کی ساری نمازوں کی کوتاہیوں کو پورا کر دیتی ہیں- یہ ایک ایسا وہم ہے جس نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا اور ان میں سُستی اور غفلت پیدا کردی ہے- مگر بہرحال لوگوں میں یہ احساس ہے اور اس دن میرے پاس بھی بہت سی تاریں اور لوگوں کے خطوط آجاتے ہیں جن میں یہ درخواست ہوتی ہے کہ جمعۃ الوداع میں ہمارے لئے دعا کی جائے- پھر عام جمعوں کی نسبت اِس دن اجتماع بھی زیادہ ہوتا ہے- عورتوں میں بھی اور مردوں میں بھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس دن میں کچھ ایسی کشش پیدا ہوگئی ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اکٹھے ہونے کی کوشش کرتے ہیں-

پس رمضان اگرچہ سارا ہی مبارک مہینہ ہے اور آخری عشرہ سارا ہی بابرکت ہوتا ہے اور کسی خاص دن کی عبادت انسان کی کوتاہیوں کو پورا نہیں کرسکتی بلکہ کوتاہیوں کے ازالہ کیلئے ضروری ہے کہ انسان کفارہ دے۔ پھر بھی یہ احساس لوگوں میں پایا جاتا ہے کہ رمضان کے آخری جمعہ میں ضرور شامل ہونا چاہیئے اس وجہ سے وہ لوگ جو دوسرے ایام میں عبادت میں غفلت کرتے ہیں' اس دن اکٹھے ہوجاتے ہیں۔ یا شاید میں غلطی کرتا ہوں۔ اصل بات یہ ہو کہ جو لوگ اپنے اپنے علاقوں میں جمعہ پڑھتے ہوں وہ جمعۃ الوداع کے لئے کسی قریب کے اہم مقام پر جمع ہوجاتے ہوں اور اس لحاظ سے اجتماع زیادہ ہوجاتا ہو۔ بہرحال چونکہ لوگ اس دن زیادہ اکٹھے ہوتے ہیں' اس لئے اس اجتماع سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور اسی ذریعہ سے اسے بابرکت بنایا جاسکتا ہے۔

اسلامی سنت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جتنا زیادہ اجتماع ہو اسلام اُتنا ہی زیادہ عبادت اور خشوع و خضوع پر زور دیتا ہے اور یہی اسلام نے برکتیں حاصل کرنے کا گُر بتلایا ہے۔ اگر جمعہ میں مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے تو اس دن بھی عبادت میں اس طرح زیادتی کردی کہ گو دو رکعت فرائض رکھے مگر اس کے ساتھ ایک لمبا خطبہ رکھ دیا۔ پھر علاوہ دوسرے ایام کے جمعہ کے دن اسلام نے زیادہ زور سے ذکر الٰہی کرنے کی تاکید اور قرآن شریف کی تلاوت کرنے کا حکم دیا ہے۔ پھر عیدین کے موقع پر اجتماع ہوتا ہے اس دن بھی ایک نماز زائد رکھ دی بلکہ علاوہ اس کے ایک میں صدقۃ الفطر اور دوسری میں قربانی رکھ کر اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ خوشی حاصل کرنے کا گُر یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ عبادت کی جائے اور اس طرح اجتماعات سے حقیقی فائدہ اٹھایا جائے۔ باقی دنیا میں بھی اجتماعات ہوتے ہیں مگر ان کے اجتماعات میں لہوولعب ہوتا ہے جو ایک ظاہری اور عارضی خوشی تک محدود ہوتا ہے۔ ان اجتماعات میں کھیلیں ہوتی ہیں' تماشے ہوتے ہیں' تھیئٹروں کی قسم کے سوانگ بھرے جاتے ہیں مگر ان کھیلوں سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔ بچوں کو ان کھیلوں کے دیکھنے سے خوشی ہوتی ہے' نوجوان بھی خوش ہوتے اور شاید بوڑھے بھی بچوں اور نوجوانوں کے اثر کے ماتحت تھوڑی دیر کیلئے خوش ہولیتے ہوں مگر لہوولعب بہرحال لہو و لعب ہی ہے اور ان چیزوں کا اثر اُسی وقت تک رہتا ہے جب تک کھیلیں ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن عبادت کا اثر دائمی ہوتا ہے کیونکہ سچی عبادت انسان کو خدا کے قریب کردیتی ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ ایسا انسان اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے نیچے آجاتا

ہے اور اگر عبادات میں زیادتی ہوتی چلی جائے تو انسان خدا تعالیٰ کی حفاظت میں پہلے سے زیادہ آجاتا ہے اور اس طرح ترقی کرتے کرتے دائمی جنت کا وارث ہوجاتا ہے- اس دائمی راحت کے مقابلہ میں لہوولعب کی وقتی راحت کچھ حقیقت نہیں رکھتی- یہی گُر ہے جو اسلام نے اجتماعات کے موقع پر ہماری روحانی ترقی اور دائمی راحت کیلئے بتایا- پس ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ہماری عبادات میں زیادتی ہو-

آج کا غیر معمولی اجتماع خواہ کسی غلط یا صحیح روایت کی بناء پر ہو یا کسی بزرگ کے قول پر اس کی بنیاد ہو ہم اس سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں اور آخری جمعہ کے لحاظ سے رمضان کے متعلق ہدایات بھی دے سکتے ہیں- گو رمضان کا بیشتر حصہ اس جمعہ کے آنے سے پہلے گزر جاتا ہے مگر بسا اوقات ان آخری دنوں میں وہ رات آجاتی ہے جس کو رسول کریم ﷺ نے ایک رؤیا اور بشارت کی بناء پر خاص طور پر اہمیت دی ہے- وہ بشارت یہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ میں خصوصاً طاق راتوں میں ایک رات ایسی آتی ہے جس میں خصوصیت سے اللہ تعالیٰ کے فضل نازل ہوتے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں- رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس رات بندہ جو کچھ صدقِ نیت اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ سے مانگے گا' وہ اسے دیا جائے گا[۱]- اس کا نام مسلمانوں میں لیلۃ القدر مشہور ہے- یہ لیلۃ القدر کب آتی ہے' یہ معلوم نہیں کیونکہ رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اُس سال کی لیلۃ القدر کا علم دیا تھا مگر آپ جب باہر لوگوں کو بتانے کیلئے تشریف لائے تو دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں ان کی لڑائی اور سختی کو دیکھ کر آپ کو ملال ہوا اور اِس قدر تکلیف پہنچی کہ شدت غم سے آپ کو اس رات کی تاریخ بھول گئی اور آپ نے فرمایا میں لیلۃ القدر بتانے کیلئے آیا تھا مگر تمہاری لڑائی کو دیکھ کر میرے ذہن سے وہ تاریخ نکل گئی- اب میں بتاتا ہوں کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ میں تلاش کرو اور خصوصیت سے اس کی طاق راتوں میں جاگو کیونکہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں کوئی رات لیلۃ القدر ہوتی ہے[۲] - روحانی علماء جو اِس امت میں گزرے ہیں' ان کا تجربہ ہے کہ لیلۃ القدر کی تاریخیں بدلتی رہتی ہیں- ۲۱' ۲۳' ۲۵' ۲۷' ۲۹ ایسی تاریخیں ہیں جن میں اکثر لیلۃ القدر ہوتی ہے- یعنی کبھی ۲۱ تاریخ کو لیلۃ القدر ہوگی کبھی ۲۳ کو کبھی ۲۵ کبھی ۲۷ اور کبھی ۲۹ کو- اور بعض روحانی علماء نے اس بات کا بھی تجربہ کیا ہے کہ کبھی لیلۃ القدر آخری عشرہ سے بھی پہلے آجاتی ہے مگر کثرت سے بلکہ اتنی کثرت سے کہ کہاجاسکتا ہے کہ ۹۹ فیصدی

بلکہ اس سے بھی زیادہ مرتبہ لیلۃ القدر آخری عشرہ میں آتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تجربہ بھی اسی امر کی تائید کرتا ہے اور مزید برآں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تجربہ سے یہ امر بھی ثابت ہے کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے بالعموم یہ رات ستائیس تاریخ کو آتی ہے۔ اس لحاظ سے اب کی دفعہ لیلۃ القدر جس کا زیادہ امکان ہوسکتا ہے' اس جمعہ کے بعد آنے والی ہے۔ بعض صحابہ ؓ کے تجربہ اور صوفیاء کے تجربہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس رات آسمان پر ایسی باتیں ظاہر ہوتی ہیں جو غیر معمولی ہوں۔ بعض دفعہ غیر معمولی ترشح ہوتا ہے اور بعض دفعہ آسمان پر غیر معمولی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ مگر بالکل ممکن ہے کہ یہ روحانی امور ہوں کیونکہ ان کے دیکھنے والے منفرد ہوتے ہیں۔ اگر جسمانی رنگ میں یہ امور ظاہر ہوتے تو ان کو دیکھنے والے بہت سے ہوتے۔ پس بالکل ممکن ہے یہ کشفی نظارہ ہو اور خداتعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہو کہ آج کی رات ہی لیلۃ القدر ہے۔ چاند کے متعلق چونکہ بالعموم شبہ رہتا ہے اور یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وقت پر دیکھا گیا ہے یا بعد میں۔ اور بعض دفعہ لوگوں کی شہادتیں بھی مشتبہ ہوجاتی ہیں اس لئے چھبیس اور ستائیس دو راتیں خصوصیت سے اہم ہوتی ہیں۔ اگر چاند کے متعلق کسی قسم کا شبہ ہو تو بعض دفعہ دھوکا لگ سکتا ہے اور انسان جب یہ خیال کررہا ہوتا ہے کہ آج ۲۶ تاریخ ہے' دراصل ۲۷ تاریخ ہوتی ہے اس لئے ۲۶ اور ۲۷ دونوں راتوں میں خصوصیت سے عبادت کرنی اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنی چاہئیں۔ مگر جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے رمضان کی ساری راتیں ہی مبارک ہوتی ہیں کیونکہ اس مہینہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے نزول کیلئے چُنا۔ پس سارے رمضان میں ہی لیکن خصوصیت سے آخری عشرہ میں قرآن کریم بہت پڑھنا چاہیئے' ذکرِ الٰہی پر زور دینا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنی چاہئیں۔

ہماری جماعت جو روحانی جماعت ہے اور جس کے سپرد ایک ایسا کام کیا گیا ہے جو انسانی ہاتھوں سے ہونا ناممکن ہے' اس کیلئے تو بہت ہی ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرے کیونکہ ہمارے پاس کامیابی کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ دعا ہے۔ یہ دن چونکہ دعاؤں کی قبولیت کے ہیں اس لئے اب جبکہ ہم آخری عشرہ میں سے گزر رہے ہیں اور جبکہ وہ رات جو لیلۃ القدر کہلاتی ہے آنے والی ہے' میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ دعاؤں پر زور دے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ افطاری کا وقت قبولیت دعا کا ہوتا ہے [۳] - اسی طرح

سحری سے پہلے کا وقت بھی دعائیں قبول ہونے کا ہوتا ہے ۔ سحری سے سورج نکلنے تک کا وقت بھی قبولیت دعا کیلئے احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ غرض عصر سے مغرب تک جس میں افطاری کا وقت بھی شامل ہے اور پَو پھٹنے سے سورج کے نکلنے تک کا وقت خاص طور پر دعاؤں کے لئے موزوں ہوتا ہے۔ ان وقتوں میں اگر دعا کی جائے تو خصوصیت سے قبول ہوتی ہے۔ قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کے وقت خاص طور پر ملائکہ نازل ہوتے اور الٰہی برکات و فیوض کا نزول ہوتا ہے۔ اور روزوں کا قرآن کریم میں جہاں ذکر کیا گیا ہے' وہاں دعاؤں کی قبولیت کا وعدہ بھی دیا گیا ہے۔ غرض ان دنوں سے خصوصیت سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔

جماعت کے دوستوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہماری تمام فتوحات روحانی ہیں۔ میں حیران ہوتا ہوں جب میں بعض دفعہ اپنے دوستوں میں سے کسی کے منہ سے یہ سنتا ہوں کہ ہم اپنی تدبیروں سے یوں کردیں گے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہمیں اپنی تدبیروں سے بھی کام لینا چاہیئے لیکن اگر ہم خدا تعالیٰ کی نصرت کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی تدبیروں پر کامیابی کا انحصار رکھیں گے تو ہم یقیناً ناکام رہیں گے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ہماری ہر ایک تدبیر خدا تعالیٰ کی مرضی اور اس کی رضاء کے ماتحت ہو۔ دعا عجز کی متقاضی ہوتی ہے لیکن دعا کے علاوہ بھی ہم پر عاجزانہ رنگ غالب رہنا چاہیئے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ایک نوکر کو کوئی ضرورت درپیش ہو تو آقا کے سامنے جا کر عاجزانہ رنگ اختیار کرتا ہے اس لئے کہ اس کی ضرورت اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ ایسا کرے مگر کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ اگر وہ ضرورت پوری کراتے وقت تو عاجزانہ رنگ اختیار کرے لیکن اسکی عادت یہ ہو کہ بعد میں اکڑ جائے اور آقا کے سامنے متکبرانہ رنگ اختیار کرے تو وہ آقا اس کی ضرورت کو پورا کر دے گا؟ کبھی نہیں۔ ضرورت کے وقت تو ہر شخص عاجز بن سکتا ہے۔ مشرک بھی ضرورت کے وقت اپنا ماتھا خدا کے آگے رگڑ سکتا ہے۔ پس صرف دعا کے وقت عاجزی دکھانے کا کوئی فائدہ نہیں جب تک ہر وقت تم پر عاجزانہ رنگ کا غلبہ نہیں رہتا۔ یہ مت خیال کرو کہ اگر تم دعا کے وقت خدا تعالیٰ کے آگے کچھ رو لیتے ہو تو یہ تمہارے لئے کافی ہے۔ دعا کے وقت رونا کوئی بڑی بات نہیں۔ بعض دفعہ انسان دوسرے کی مصیبت کا تصور کرکے بھی رو پڑتا ہے اور بعض دفعہ اپنی مصیبت پر غور کرکے بھی انسان کے آنسو نکل آتے ہیں۔ بالکل ممکن ہے ایک انسان اسی قسم کے اثرات کے ماتحت دعا میں روتا ہو مگر دوسرے وقت فرعون سے بھی بڑھ کر ظالم ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا ایک بچہ فوت ہوگیا- ایک خادمہ جو میری کھلائی بھی تھی وہ اتنا روئی کہ بچے کی ماں بھی اتنا نہیں روئی تھی- حضرت امّاں جان کو خیال آیا کہ اس رونے میں ضرور کوئی خاص بات ہے- انہوں نے اس سے پوچھا تو اتنا کیوں روئی ہے- پہلے تو وہ کہنے لگی بچہ جو فوت ہوگیا ہے اس کے صدمہ سے روتی ہوں- حضرت امّاں جان نے کہا' نہیں کوئی اور بات ہے- سچ سچ بتا- وہ کہنے لگی اصل بات یہ ہے کہ پیر منظور محمد صاحب ابھی آئے تھے' انھیں دیکھ کر مجھے اپنا بھائی یاد آگیا کیونکہ میرے بھائی کی شکل ان سے ملتی تھی' اس لئے میں روئی- پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک انسان اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنے جائے اور پھر اسے رونا نہ آئے مگر اس رونے پر اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ رقّت کا موجب خداتعالیٰ کی خشیت نہیں بلکہ کوئی خاص مصیبت ہوگی جس نے اسے رُلادیا- اسی طرح خودغرضی کے ماتحت انسان ترلے بھی کرلیتا ہے اور آنسو بھی بہالیتا ہے- مگر اس قسم کے عجزوانکسار سے خداتعالیٰ دھوکے میں نہیں آسکتا- یہ مت خیال کرو کہ تمہارے آنسو بہانے سے خداتعالیٰ دھوکا کھا جائے گا- وہ تمہارے دلوں کو جانتا ہے اور وہ یہ دیکھتا ہے کہ میرے بندے دوسرے اوقات میں بھی عجزوانکسار دکھاتے ہیں یا نہیں- اگر دوسرے اوقات میں کوئی شخص خواہ مخواہ چھاتی نکالے پھرتا ہے' خود پسندی اور کبر اس میں پایا جاتا ہے تو خدا اس کے تھوڑی دیر کے رونے کو کچھ وقعت نہیں دیتا- وہ سمجھتا ہے کہ اب یہ اپنی ضرورت کیلئے رو رہا ہے ورنہ اس کی طبیعت میں تکبر' ظلم اور خودپسندی بھری ہوئی ہے- بڑے بڑے جابر عیسائی بادشاہ بھی ضرورت پر گرجوں میں چلے جاتے اور رونے لگ جاتے ہیں- مگر جونہی گرجے سے نکلتے ہیں کہتے ہیں کون ہے جو ہمارے سامنے بول سکے- جب انہیں گرجے میں دیکھا جاتا ہے' جب ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان سے زیادہ منکسرالمزاج اور کوئی نہیں- مگر جب گرجے سے باہر دیکھا جاتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان سے زیادہ ظالم اور کوئی نہیں- پس یاد رکھو خداتعالیٰ کو انکسار پسند ہے مگر وہ انکسار نہیں جو تم دعا کے وقت پندرہ بیس منٹ کیلئے اختیار کرلیتے ہو بلکہ وہ انکسار پسند ہے جو تم ۲۴ گھنٹے رکھتے ہو- اس دائمی انکسار کے ساتھ اگر ایک آنسو بھی تمہاری آنکھ سے گرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے عرش کو ہلا دے گا کیونکہ خدا اپنے بندے کا ایک آنسو بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا- لیکن اگر یہ انکسار نہیں تو خواہ تمہارے آنسوؤں سے مصلیٰ تر ہو جائے خداتعالیٰ کے فرشتے اُنہیں ایسا ہی نجس سمجھتے

ہیں جیسے بلی کا پیشاب- پس وہی رونا کام دے سکتا اور اُسی عجز سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے جو ہمیشہ انسان کے ساتھ رہے- ورنہ جس انسان میں یہ نہیں اُس کو تم دیکھو گے کہ دعاؤں میں تو خوب روتا ہے لیکن دوسرے وقت کئی قسم کے ظلموں کا ارتکاب کرلیتا ہے- اس کے مقابلہ میں ایک اور شخص کو دیکھو گے کہ وہ بیٹھا دعا کررہا ہے مگر کیا تم سمجھتے ہو کہ اس کی خشک آنکھیں بے اثر جائیں گی اور دوسرے کی تر آنکھیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو زیادہ جذب کریں گی- نہیں- بلکہ خشک آنکھوں والے کی دعا اللہ تعالیٰ زیادہ قبول کرے گا- کیونکہ وہ جانتا ہے کہ رونے والا بناوٹ کر رہا ہے اور دوسرا حقیقی عجز سے دعا مانگ رہا ہے- پھر بعض لوگوں کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ ذرا کسی کو روتا دیکھیں وہ خود بھی رونا شروع کر دیتے ہیں- ایسے لوگوں کا بھی دعا میں رونا کوئی فائدہ نہیں رکھتا- زیادہ سے زیادہ اس رونے کو طبیعت کا میلان کہا جاسکتا ہے اور کچھ نہیں- اس قسم کے لوگ اگر کسی کو غصہ میں دیکھیں گے تو انہیں بھی غصہ آجائے گا اور ان کا جی چاہے گا کہ لٹھ لے کر دوسرے کا سر پھوڑ دیں- پس مت خیال کرو کہ اس قسم کے لوگوں کا دوسرے کو روتے ہوئے دیکھ کر رو پڑنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی وقعت رکھتا ہے- یہ سب ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کا رونا اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب نہیں کرسکتا-

پس ان عارضی باتوں پر خوش نہیں ہونا چاہیئے- جو شخص دوسرے کو دیکھ کر نقل کرنا شروع کردیتا ہے' وہ تو ایسا ہے جیسے کوئی دوسرے کا کپڑا پہن لے مسجد میں دعا کے وقت ہی دیکھا جاتا ہے کہ ایک آدمی اگر چیخ مارے تو کئی کمزور لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اسی سے متأثر ہو کر رونے لگ جاتے ہیں- اسی طرح مجلسِ وعظ میں دیکھا جاتا ہے کہ بعض تو اپنی طبائع پر زور ڈال کر بیٹھے رہتے اور باتیں سنتے رہتے ہیں اور کئی ایسے ہوتے ہیں جن کی توجہ کسی اور طرف مشغول ہوتی ہے- وہ بیٹھے تو وعظ کی مجلس میں ہوتے ہیں مگران کی توجہ گھر کے کسی کام کی طرف ہوتی ہے- پھران میں بھی بعض تو ایسے ہوتے ہیں جو اپنی طبیعت پر قابو رکھتے ہیں اور بعض قابو نہیں رکھتے اس لئے جب خاص طور پر کوئی مؤثر بات بیان کی جاتی ہے تو بعض کے منہ سے بے اختیار سُبْحَانَ اللّٰہِ نکل جاتا ہے مگر جو نفس پر قابو رکھتے ہیں' وہ خاموش بیٹھے رہتے ہیں- ہاں جو بے دھیان ہوتے ہیں وہ بھی یکدم چونک پڑتے ہیں اور سونے والے بھی بیدار ہو جاتے ہیں اور سُبْحَانَ اللّٰہِ کی آواز سنتے ہی یہ خیال کرکے کہ ہم پیچھے نہ رہ

جائیں فوراً سُبْحَانَ اللّٰہِ کہہ دیتے ہیں- بظاہر ایک انسان ایسے شخص کے متعلق خیال کر سکتا ہے کہ یہ کتنا رقیق القلب ہے کہ اچھی بات سننے پر بے اختیار اس کے منہ سے سُبْحَانَ اللّٰہِ نکل جاتا ہے اور دوسرا کتنا سنگدل ہے کہ خاموش بیٹھا رہا مگر اصل بات یہ ہوتی ہے کہ مختلف انسان مختلف باتوں سے متأثر ہوتے ہیں- بعض پر ایسی باتوں کا اثر ہوتا ہے جن میں قربانی کا ذکر کیا گیا ہو اور بعض پر ایسی باتیں اثر کرتی ہیں جن میں صبر کا ذکر ہو- پس بعض دفعہ ایک انسان اس لئے بھی خاموش رہتا ہے کہ جو بات بیان کی گئی ہو وہ اس کی طبیعت کے مطابق نہیں ہوتی یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ نیکی میں کم درجہ رکھتا ہے بلکہ اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ اس امر کی طرف میلان نہیں رکھتا- مگر بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے منہ سے جب سُبْحَانَ اللّٰہِ نکلتا ہے تو پاس بیٹھنے والا بھی گھبرا کر سُبْحَانَ اللّٰہِ کہہ دیتا ہے- گویا وہ خیال کرتا ہے کہ یہ بھی ایک نیکی ہے جس میں مجھے پیچھے نہیں رہنا چاہیئے حالانکہ اگر دوسرا بجائے سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنے کے چیخ مارتا تو شاید یہ بھی اس خیال سے چیخ مار دیتا کہ کہیں کوئی سانپ نکل آیا ہے یا آگ لگ گئی ہے- ایسی طبیعت والوں کا رونا اللہ تعالیٰ کے حضور کام نہیں آتا- مگر دوسرے آدمی کا ایک آنسو بھی اسے بابرکت بنادیتا ہے- جانتے ہو جب چور پکڑے جاتے ہیں تو وہ بھی رویا کرتے ہیں-

میرے ایک دفعہ گھوڑے چوری ہوگئے- پولیس والے جب چوروں کو پکڑ کر میرے پاس لائے تو میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور وہ منتیں کرنے لگے کہ ہمیں چھوڑ دیا جائے ہم سے غلطی ہوگئی کہ آپ کے گھوڑے چُرا لئے' آپ جیسے بزرگوں کی چیز چُرا کر بھی کوئی انسان بچ سکتا ہے' ایسا مال کبھی پچتا ہی نہیں- پولیس والے ساتھ تھے وہ کہنے لگے آپ انہیں معاف کردیں- معلوم نہیں وہ کیوں سفارش کرتے تھے- یہ بھی سنا گیا تھا کہ پولیس والوں نے ان سے رشوت لے لی تھی- بہرحال میں نے اُنہیں معاف کردیا مگر میں نے دیکھا کہ ان کا رونا اُسی منت کیلئے تھا بعد میں وہ پھر پہلی حالت پر آگئے- مگر اُن کی یہ بات سچی ثابت ہوگئی کہ ایسا مال کہیں پچتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اور مقدمہ میں پکڑوا دیا- ڈپٹی کمشنر کے سامنے جب مقدمہ پیش ہوا تو اُس نے کہا تم عادی چور ہو میں نے سنا ہے تم نے اس سے پہلے مرزا صاحب کے گھوڑے چُرائے تھے اب میں تمہیں ڈبل سزا دیتا ہوں- چنانچہ وہ سات سات سال کیلئے قید ہوگئے- بعد میں ان کے خاندان پر بھی تباہیاں آئیں- اب

تک اس علاقہ کے لوگ یہ باتیں کرتے ہیں کہ انہیں یہ گھوڑے چُرانے کی سزا ملی ہے۔ تو اس قسم کا رونا کام نہیں دے سکتا۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ آئندہ تم دعا کرتے وقت مت رؤو۔ اگر رونا آتا ہے تو رؤو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ رونا کام آتا ہے جبکہ صرف آنکھیں نہیں بلکہ دل بھی رو رہا ہو۔ کبھی تم نے غور کیا کہ جب تمہیں کوئی حقیقی دُکھ پہنچے تو اُس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوتی ہے۔ تم کمزور ہوتے ہو، دشمن تمہیں چھیڑتا ہے اس پر دل میں درد پیدا ہونے کے ساتھ ہی تمہاری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اور کہتے ہو الٰہی! ہم کس مصیبت میں پڑ گئے کہ دشمن ہم پر ہنستا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جو انکسار کی کیفیت ہے۔ اسے اپنے اندر پیدا کرو۔ کبھی تم نہیں دیکھو گے کہ سوائے ڈاکو یا ظالم لوگوں کے جب جنازہ جارہا ہو اور اُس وقت دشمن ستانے لگے تو لوگ جنازہ پھینک کر دشمن کے پیچھے ہولیں۔ بلکہ وہ اُس وقت استغفار کریں گے، اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں گے کہ وہ انہیں دشمنوں کے شر سے بچائے۔ یہی حالت مومن کی ہونی چاہیئے۔ اُس کی نگاہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونی چاہیئے۔

صحابہؓ کو دیکھو ان پر کیا کیا مصیبتیں آئیں مگر سوائے خدا کے ان کی نگاہ اور کسی پر نہیں پڑی۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ صحابہؓ جنگ سے اس طرح گھبراتے تھے جیسے موت سے انسان گھبراتا ہے۔ بیشک ان میں نوجوان بھی تھے جو تلواریں لے لیکر جنگ کیلئے نکلتے تھے مگر بہرحال وہ نوجوان تھے۔ تم نے کبھی نہیں پڑھا ہوگا کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ شوق سے تلواریں سونت سونت کر میدانِ جنگ میں نکلتے ہوں۔ حضرت عمرؓ کو کبھی کبھی جوش آجاتا تھا مگر وہ بھی منافقوں کے متعلق لیکن یہ بات بھی تو انہیں حضرت ابوبکرؓ سے نیچے ہی ثابت کرتی ہے، فوقیت نہیں دیتی۔ کسی تاریخ کی کتاب میں نہیں دیکھو گے کہ صحابہ خوشی خوشی رسول کریم ﷺ کے پاس تلواریں لئے آئے ہوں اور آکر کہا ہو یَارَسُوْلَ اللہ! کسی سے لڑائی چھیڑیئے۔ ہمیشہ اُن کی تلواریں میانوں میں ہی رہیں۔ ہاں کچھ نوجوان تھے جو جوش میں تلواریں نکالے پھرتے تھے مگر یہ بات اُن کی اعلیٰ نیکی ثابت نہیں کرتی۔ اگر اعلیٰ نیکی ہوتی تو خلافت کے حقدار وہ کیوں نہ ہوتے۔ اس میں شُبہ نہیں کہ اُن کا اسلام کے رستہ میں اپنی جانوں کو قربان کرنا اور تلواریں لے کر نکلنا ایک نیکی تھا مگر گھٹیا درجہ کی نیکی تھی۔ اصل نیکی وہی تھی جس کا قرآن کریم نے یوں نقشہ کھینچا ہے کہ جس وقت صحابہ جنگ کیلئے نکلتے تو وہ جنگ کرنا اپنے لئے موت سمجھتے۔ اور ان کے دل ڈرتے کہ وہ انسانوں کا

خون بہائیں گے- وہ اپنی موت کو زیادہ پسند کرتے تھے بہ نسبت اس امر کے کہ کسی دوسرے کا خون گرائیں-

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں- خصوصیت سے شیعہ لوگ کہ قرآن مجید نے صحابہؓ کی یہ کمزوری بیان کی ہے کہ وہ جنگ سے موت کی طرح ڈرتے تھے لیکن یہ صحیح نہیں- صحابہ اپنے مرنے سے نہیں بلکہ دوسروں کو مارنے سے ڈرتے تھے اور دوسرے کا خون گرانا اُنہیں موت نظر آتا تھا- جب حضرت علیؓ سے لڑائی ہونے لگی تو اُس وقت حضرت علیؓ نے کہا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ کو بلاؤ- جب وہ آگئے تو آپ نے اُنہیں کہا تمہیں یاد ہے رسول کریمؐ نے فلاں فلاں موقع پر کیا فرمایا تھا- انہوں نے کہا یاد ہے- آپ نے کہا تو پھر تمہارا مجھ سے جنگ کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے- یہ سن کر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ چلے گئے اور لڑائی کا ارادہ ترک کردیا- حضرت طلحہؓ کے پیچھے پیچھے ایک دشمن ہولیا اور اُس نے آپ کو تلوار ماری- انہوں نے کہا کہ میں تلوار نہیں چلاؤں گا کیونکہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہوا ہے کہ جو علیؓ کے مقابل پر تلوار چلائے گا وہ ظالم ہوگا- آخر اُس نے حضرت طلحہؓ کو شہید کردیا اور آپ کا سر کاٹ کر حضرت علیؓ کے پاس لایا اور کہا مبارک ہو میں نے طلحہؓ کو مار دیا- حضرت علیؓ نے کہا تجھے دوزخ کی مبارک ہو کیونکہ میں نے رسول کریمؐ سے سنا ہوا ہے کہ طلحہؓ کو ایک دوزخی آدمی مارے گا۵ - غرض صحابہ میں بہادری تھی تو ایسی کہ ان پر تیروں کی بارش ہوتی اور وہ اُف تک نہ کرتے چنانچہ میں نے یہ واقعہ کئی دفعہ بیان کیا ہے- نام یقینی طور پر یاد نہیں- شاید حضرت طلحہؓ ہی تھے یا کوئی اور- ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا ایک ہاتھ ناکارہ ہوگیا تھا کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہوئی تو وہ کہنے لگے ایک جنگ کا موقع تھا' دشمن اپنے تیر رسول کریم ﷺ کی طرف پھینکتے تھے اور میں اپنے ہاتھ پر ان تیروں کو لیتا جاتا تھا اور سی بھی نہیں کرتا تھا۶ - یہاں تک کہ میرا ہاتھ شل ہوگیا- یہ دلیری اور بہادری تھی جو صحابہ کے اندر پائی جاتی تھی- ایک طرف تو انہوں نے یہ جرأت کا نمونہ دکھایا کہ ہاتھ تیروں کی بوچھاڑ سے چھلنی ہوگیا مگر ہٹایا نہیں- اور دوسری طرف اتنا صبر دکھایا کہ ایک شخص تلوار سے ہلاک کرتا ہے مگر اس کے مقابل پر تلوار نہیں اُٹھاتے- اس کی یہی وجہ ہے کہ وہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی خشیت رکھتے تھے اور کبھی اپنے نفس کی بڑائی کا خیال نہیں کرتے تھے- پس عجزوانکسار پیدا کرو اور دعاؤں پر بہت زور دو- یقیناً یاد رکھو کہ دعا ایک ایسی چیز ہے جس سے

کامیابی یقینی ہے۔ آج کل رمضان کے دن ہیں اور روزے رکھا کر اللہ تعالیٰ ہمیں بیکسوں کی شکل دینا چاہتا ہے۔ جس طرح ایک غریب اور مفلس آدمی کہتا ہے کہ میں بھوکا مرتا ہوں' اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ہمیں روزوں کے ذریعہ بھوکے مرنے والوں کی طرح بنا کر اور عجزوانکسار پیدا کرکے ہمیں اپنا قُرب دینا چاہتا ہے اور بتاتا ہے کہ میری رضاء کا یہی ذریعہ ہے کہ تم دنیا میں بھوکے مرنے والوں کی طرح عجزونیاز اختیار کرو۔

آج میں گھر سے اسی نیت سے آیا تھا کہ آپ لوگوں کو نصیحت کروں کہ دائمی انکسار پیدا کرو۔ وہ بھی کیا انکسار ہے کہ ایک شخص کی چیخ سنتے ہو اور رونے لگ جاتے ہو۔ اگر اس کی چیخ نہ سنتے تو تم بھی نہ روتے۔ ایک کو دعا کرتے دیکھتے ہو تو تمہیں بھی دعا کا خیال آجاتا ہے اگر نہ دیکھتے تو تمہیں بھی خیال نہ آتا۔ یہ رونا اور یہ دعائیں خدا کے حضور مقبول نہیں ہوتیں۔ رونا وہ ہے کہ آنکھیں پیچھے روئیں مگر دل پہلے رو پڑے۔ محض آنکھوں سے آنسو بہانا کوئی چیز نہیں۔ بچے بھی بعض دفعہ ماں باپ یا اپنے استاد کو ڈرانے کیلئے آنکھوں میں کچھ ڈال لیتے ہیں جس کی وجہ سے لگاتار آنکھوں سے پانی بہنا شروع ہوجاتا ہے۔ یہ تصنّع اور بناوٹ ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ حقیقی طور پر اپنے دل میں رقّت اور انکسار پیدا کرو۔ یہی وہ رونا ہے جس سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ جب تمہارے اندر سے کبر مٹ جائے' خودپسندی و خودستائی کی عادت جاتی رہے' عجزوانکسار دائمی طور پر پیدا ہوجائے اور تمہارے منہ سے کبھی یہ نہ نکلے کہ دیکھوں تو سہی کوئی میرا کیا بگاڑ لیتا ہے یا میں تجھے بتادوں گا اُس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمتیں تم پر نازل ہوں گی اور تمہاری دعائیں بھی سُنی جائیں گی۔ پچھلے سے پچھلے سال کشمیر کے مظلومین کے متعلق ایک میٹنگ ہوئی۔ اُس وقت ایک احراری لیڈر اُٹھا اور اُس نے کہا ہم احمدیوں کو مٹادیں گے اور اُنہیں کام نہیں کرنے دیں گے کیونکہ ملک کے حقیقی نمائندے ہم ہیں۔ اسی طرح اُس نے کئی باتیں کہیں مگر میں دل میں سمجھ رہا تھا کہ میں جو بھی اسے جواب دوں گا' غلط ہوگا۔ میرا زیادہ سے زیادہ یہی جواب ہوسکتا تھا کہ تم ہمیں کس طرح کُچل سکتے ہو مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ آئندہ کیا واقعات رونما ہونے والے ہیں۔ میں اُس کی باتیں سن کر مسکراتا رہا اس لئے کہ جو بات وہ کہہ رہا تھا اُس کے متعلق نہ اُسے کچھ علم تھا نہ مجھے کچھ علم تھا۔ میرے لئے اپنی عمر میں غیروں سے اِس قسم کے الفاظ سننے کا یہ پہلا موقع تھا۔ اپنوں سے تو کئی دفعہ سن چکا تھا مگر غیروں میں ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے منہ سے یہ نہ نکلا کہ

میں تمہاری کیا پرواہ کرتا ہوں- سوائے خاموش رہنے اور مسکرانے کے میں نے کچھ جواب نہ دیا- ایک بچہ بھی اگر کہے کہ میں تمہیں تباہ کردوں گا تو ہم تو اسے بھی نہیں کہہ سکتے کہ تمہاری حیثیت کیا ہے جو تم ایسا کرسکو- ہمیں کیا معلوم کہ وہ بچہ لمبی عمر پانے والا ہو اور ہم جلدی دنیا سے گزر جانے والے ہوں- پس وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ میں یُوں کردوں گا ووں کردوں گا وہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ اس قسم کے الفاظ کے دو ہی مفہوم ہوتے ہیں- یعنی یا تو وہ عالم الغیب ہے اور جانتا ہے کہ فتح اُس کیلئے ہے اور یا خدائی طاقتیں اُس کے پاس ہیں اور وہ جسے چاہے ہلاک کرسکتا ہے اور یہ دونوں باتیں جھوٹ ہیں- پس تم جھوٹ اور فریب سے خدا تعالیٰ کو خوش نہیں کرسکتے- دنیاوی بادشاہ ان باتوں سے خوش ہوں تو ہوں خدا تعالیٰ انہیں پسند نہیں کرتا-

غرض جب تک انکسار پیدا نہ ہو اور جب تک یہ حالت نہ ہو کہ ایک ذلیل سے ذلیل انسان بھی تمہیں کہے کہ میں تمہیں بتادوں گا مگر تمہارے منہ سے یہ نہ نکلے کہ کس طرح بتادو گے، تب تک نہ سمجھو کہ تمہارے نفس کا کیڑا مرگیا ہے- پس دائمی اور حقیقی انکسار پیدا کرو اور اِس قسم کے الفاظ کبھی منہ سے مت نکالو ہم یوں کردیں گے- ہاں اگر خداتعالیٰ تمہاری مدد کرتا ہے اور اُس کا وعدہ تمہارے ساتھ ہے تو پھر بیشک کہو- جیساکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام کو ایک دفعہ ایک مقدمہ[۷] کے دوران میں بتایا گیا کہ مجسٹریٹ پر زور دیا جارہا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ سزا ضرور دے- ایک دوست بیان کرتے ہیں- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام سے جب یہ بات بیان کی گئی تو اُس وقت آپ لیٹے ہوئے تھے- سنتے ہی اُٹھ بیٹھے اور فرمایا- خداتعالیٰ کے شیر پر کون ہاتھ ڈال سکتا ہے[۸] - غرض جب خداتعالیٰ کہے کہ بولو، اُس وقت بولنا چاہیئے اور جب وہ نہ کہے تو خاموش رہنا چاہیئے- رسول کریمؐ کا اِس بارے میں جو نمونہ تھا اُس کا اِس واقعہ سے پتہ لگتا ہے کہ اُحد کے موقع پر ایک غلطی کی وجہ سے جب صحابہ میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹ گئے اور صرف چند آدمی رسول کریمؐ کے ساتھ رہ گئے تو ابوسفیان نے زور سے آواز دی کہ ہم نے محمد کو ماردیا، حضرت عمرؓ بولنا چاہتے تھے مگر رسول کریم ﷺ نے فرمایا چُپ رہو اور اُسے کچھ جواب نہ دو- پھر اُس نے کہا ہم نے ابوبکر کو بھی ماردیا- آپ نے پھر صحابہ سے فرمایا کہ خاموش رہو اور کچھ جواب نہ دو- پھر اُس نے کہا ہم نے عمر کو بھی ماردیا- آپ نے پھر نصیحت کی کہ چُپ رہو

کیونکہ اگر جواب دیا جاتا تو خطرہ کی حالت تھی- دشمن تین ہزار کی تعداد میں تھا اور مسلمان پندرہ بیس تھے- اس لئے آپ صحابہ کو جواب دینے سے منع فرماتے رہے- اس پر ابوسفیان نے متکبرانہ لہجہ میں کہا- اُعْلُ ھُبَل-اُعْلُ ھُبَل- یعنی ہم نے سب کو مار دیا- ھُبَل بُت کی بڑائی ہو- تب رسول کریمؐ نے جو پہلے صحابہ کو جواب دینے سے منع فرماتے تھے صحابہ سے فرمایا تم جواب کیوں نہیں دیتے- انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللہ! ہم کیا کہیں- فرمایا کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ- اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ۹؎ - یعنی اللہ ہی سب سے بڑا اور بلند شان رکھنے والا ہے- اس سے پتہ لگتا ہے کہ جہاں نفس کا سوال تھا وہاں تو رسول کریمؐ نے فرمایا کہ چُپ رہو کیوں دشمن کو بتایا جائے کہ ہم موجود ہیں- مگر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر حملہ کیا تو آپ اسے برداشت نہ کرسکے- یہی حالت مومن کی ہونی چاہیئے- اپنے نفس کے معاملہ میں اس کی نظر ہمیشہ نیچی رہنی چاہیئے- اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی غناء کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ معلوم نہیں اللہ کے علم میں کیا ہے- یہ چیز ہے اسے اپنے اندر پیدا کرو- اور یہی چیز ہے جس کے ساتھ دعائیں سُنی جاتی ہیں- ورنہ تہجد میں اپنی مصیبت یاد کرکے رولینا کوئی بڑی بات نہیں- بڑے بڑے دہریہ بھی جب اُن کی بیوی یا بچہ فوت ہوجاتا ہے اتنا روتے ہیں کہ شاید مومن اتنا تہجد میں نہ روتا ہو- رونا درحقیقت رِقّتِ قلب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے- بعض دفعہ بیوی بچے سامنے نہیں ہوتے' انسان محض ان کا تصور کرکے روپڑتا ہے یا کہیں جنگل میں جارہا ہو اور اسے اپنا کوئی عزیز یاد آجائے تو وہ رو پڑتا ہے- پس خالی رونا کوئی چیز نہیں جب تک اس کا موجب نیک نہ ہو- اگر رونے کا موجب نیک ہو تو اللہ نہیں چاہتا کہ اپنے بندے کا ایک آنسو بھی ضائع ہونے دے اور اگر موجب نیک نہ ہو تو فرشتے کہتے ہیں اَور رو اَور رو یہاں تک کہ وہ مرجاتا ہے کیونکہ جب کوئی شخص بہت روتا ہے تو اُس کا خون گاڑھا ہوجاتا اور رطوبت خشک ہوجاتی ہے- اپنی ایسی حالت پیدا کرو تو تمہاری دعائیں قبول ہوں گی- ورنہ منہ کے خالی الفاظ اور آنکھوں کے آنسو کوئی اثر نہیں رکھتے- شروع میں تو دو تین چکر مجھے ایسے آئے تھے کہ میں خیال کرتا تھا خطبہ میں زیادہ نہیں کہہ سکوں گا مگر بعد میں حالت بدل گئی- جو نصیحت کرنے کے ارادہ سے گھر سے آیا تھا وہ آپ لوگوں کو کردی ہے- اب رمضان کے تھوڑے دن رہ گئے ہیں ان سے فائدہ اُٹھاؤ- اور دائمی انکسار پیدا کرو کہ اس کے ساتھ سُوکھی آنکھیں بھی اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرلیتی ہیں اور اس کے بغیر تر آنکھیں بھی کسی کام

نہیں آتیں۔

(الفضل ۱۸۔ جنوری ۱۹۳۴ء)

---

۱ بخاری کتاب الصوم باب فضل لیلۃ القدر و قول اللّٰہ تعالٰی انّا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر (مفہوماً)

۲ بخاری کتاب الصوم باب رفع معرفۃ لیلۃ القدرلتلاحی الناس

۳ سنن ابن ماجہ کتاب الصیام باب فی الصائم لا ترد دعوتہٗ

۴ سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات والسنۃ فیھا باب ماجاء فی أیّ ساعات اللیل افضل

۵ مروج الذھب (تاریخ مسعودی) جلد ۲ حالات جنگ جمل صفحہ ۳۷۳ مطبع السعادۃ مصر ۱۹۶۴ء (حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کا یہ قول حضرت زبیرؓ کے متعلق تھا)

۶ بخاری کتاب المغازی باب اذ ھمت طائفتان منکم (الخ)

۷ مقدمہ کرم دین (مرتب)

۸ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۹۶۔ ایڈیشن ۱۹۳۵ء

۹ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ أحد و قول اللّٰہ تعالٰی و اذ غدوت من اھلك تبوئ المؤمنین مقاعد للقتال